بسم اللہ الرحمن الرحیم

ائمہ فقہاء کے قول "إذا صح الحدیث فھو مذھبی"

(صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے) سے متعلق

غلط فہمی کا ازالہ

اور اس جملہ کا صحیح مطلب!

از

مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی

استاذ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

ناشر

مجلس تحفظِ شریعت آندھرا پردیش

Ulamaehaqulamaedeoband.wordpress.com

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد :

تمہید

عام طور سے ''عمل بالحدیث''، یا ''حدیث نبوی کی بالادستی'' جیسے خوش کن عنوان کے ذریعہ درحقیقت غیر مقلدیت یا اباحیت کی تبلیغ کرنے والے نام نہاد ''اہل حدیث'' حضرات سادہ لوح مسلمانوں کو یہ جھانسہ دیتے ہیں کہ دیکھو خود ائمہ متبوعین فرما گئے ہیں کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت مل جائے اور میرا قول اس کے خلاف ہو تو تم اسی کو قبول کرو، وہی میرا مذہب ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی وغیرہ ائمہ سے منسوب اس مضمون کی عبارتیں دکھاتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو تمہارے امام کی دلیل قیاس ہے، یا حدیث ضعیف ہے اور اس کے مقابل میں یہ بخاری شریف، یا مسلم شریف کی صحیح حدیث ہے، اسی پر عمل کرو، یہی تمہارے امام صاحب بھی فرماتے تھے، بلکہ انھوں نے یہاں تک فرمایا ہے کہ: ''جب تمہیں میرے قول کے بالمقابل حدیث صحیح مل جائے تو حدیث کو اختیار کرلو اور میرے قول کو دیوار پر مار دو''۔

یہ بات سادہ لوح مسلمانوں کے ذہنوں کو اپیل کرتی ہے اور وہ ان کے دامِ فریب میں آجاتے ہیں۔ جب کہ اس جملہ کا مذکورہ بالا نقطۂ نظر سے استعمال ''کلمة حق أرید به الباطل'' کا مصداق ہے، یعنی ایک صحیح بات کو غلط معنی میں ڈھالنے کے مرادف ہے۔

اس مغالطہ کو سمجھنے اور اس کے صحیح حل کے لیے درج امور بطور تمہید ذہن نشیں کرلینا نہایت ضروری ہے:

اس میں شبہ نہیں کہ کسی بھی حدیث سے استدلال کرنے کے لیے پہلے اس کے ثبوت واستناد کی بابت تحقیق واطمینان کرلینا ازبس ضروری ہوتا ہے، اس کے لیے قرآن کریم نے نقدِ رجال، اور درایتِ متن دو معیار عطا کیے ہیں، یعنی اگر راویانِ حدیث کا ثقہ اور عادل ہونا ضروری ہوتا ہے تو اس بات کی بھی تحقیق کرلینی ضروری ہوتی ہے کہ وہ حدیث معارضہ، نسخ یا علت خفیہ سے

محفوظ بھی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ یہ چیزیں حدیث پر عمل کرنے سے مانع ہوتی ہیں، قرآن کریم کی آیت ﴿ یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إِنْ جَاءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوْا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِیْنَ ﴾ [حجرات، ٦] میں راوی کی عادل اور راست گو ہونے کے متعلق تحقیق کرنے کا حکم ہے، اس ذمہ داری کو طبقۂ محدثین نے بحسن وخوبی انجام دیا۔

اور آیت کریمہ: ﴿ وَلَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَکُوْنُ لَنَا اَنْ نَتَکَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ﴾ [نور، ١٦] میں روایت شدہ مضمون کی داخلی حالت سے متعلق تحقیق کرنے کا حکم ہے کہ ایا مضمونِ روایت شانِ نبوت، یا مزاجِ شریعت سے میل بھی کھاتا ہے یا نہیں؟ اس ذمہ داری کو امت کے فقہائے کرام نے انجام دیا۔

اللہ تعالیٰ حضراتِ محدثین کے درجات بلند فرمائے کہ انھوں نے راویانِ حدیث کی عدالت وضبط کو جانچنے کے لیے ایسے قوانین واصول اپنائے جن سے بہتر کسی اصول کا تصور نہیں کیا جا سکتا، پھر انتہائی محنت، دل سوزی اور جاں کاہی سے ذخیرۂ حدیث کو نہ صرف مدون کیا بلکہ ان کی اسنادی حیثیت کو واشگاف کرتے ہوئے ثابت وغیر ثابت کے درمیان خط امتیاز قائم کردیا، درحقیقت حضرات محدثین نے یہ کارنامہ انجام دے کر فقہائے کرام کے کام کو آسان بنادیا، اب انھیں اسنادی پہلو سے زیادہ غور وفکر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی، ان کا کام متون حدیث کے باطنی احوال کی تحقیق کرکے ان کے قابل عمل ہونے نہ ہونے کا فیصلہ کرنا اور ان سے مسائل شرعیہ مستنبط کرنا ہے۔

درایت کی ضرورت واہمیت

اصولِ روایت حدیث کے ساتھ ساتھ اصولِ درایت حدیث کی بھی ضرورت کا جمہور علماء ومحدثین نے نہ صرف اعتراف بلکہ اہمیت کے ساتھ ان کی تاکید کی ہے، اور خود عملی طور سے کچھ مسلمہ اصول درایت پر پرکھتے ہوئے بعض حدیثوں کو ناقابل عمل قرار دیا ہے، درایت حدیث کی ضرورت واہمیت کے سلسلہ میں درج علماء کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

(۱) امام شافعیؒ اپنی بے مثال تصنیف ''الرسالة'' (ص ۲۹۹) میں فرماتے ہیں:

Ulamaehaqulamaedeoband.wordpress.com

''اکثر حدیثوں کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار تو راوی کا صادق یا کاذب ہونا ہی ہے مگر چند مخصوص حدیثیں کہ ان کا صحیح اور غلط ہونا بایں طور بھی جانا جاتا ہے کہ حدیث بیان کرنے والا ایسی حدیث بیان کرے کہ اس جیسا مضمون عقلاً ممکن نہ ہو یا ایسی حدیث بیان کرے جو اس سے مضبوط درجہ کی دلیل یا ایسی حدیث کے معارض ہو جس میں صدق اور صحت کے قرائن اس سے زیادہ ہوں''۔

(۲) علامہ بن قیم نے اپنی کتاب ''الفروسیۃ'' (ص ۶۴) میں لکھا ہے :

''یہ مسلم ہے کہ حدیث کی سند کا صحیح ہونا متن کے صحیح ہونے کے شرائط میں سے ہے، لیکن اس کے صحیح ہونے کو واجب کرنے والا نہیں ہے، کیوں کہ متنِ حدیث کی صحت چند امور کے مجموعہ سے ثابت ہوتی ہے جن میں سے اس کی سند کا صحیح ہونا، اس میں علت خفیہ کا نہ ہونا، اس کا شاذ اور منکر نہ ہونا ہے، اور یہ بات ہے کہ اس کے راوی نے دیگر ثقات سے الگ ہو کر ان کی مخالفت نہ کی ہو''۔

واضح رہے کہ کسی راوی کی حدیث کے دیگر ثقات کی حدیث سے من کل الوجوہ معارض ومخالف ہونے کا فیصلہ درایت کے ماہرین یعنی فقہاء ہی کر سکتے ہیں کیوں کہ محدثین مخالفت کے تحقیق میں عموماً ان پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہیں جن کا تعلق اسناد سے ہوتا ہے مثلاً وصل وارسال کا اختلاف، رفع ووقف کا اختلاف، رہا الفاظ متن کے مدلولات کا اختلاف تو ان کے پیش نظر یہ بہت کم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم کتب علل حدیث میں انہیں احادیث کو زیادہ تر پاتے ہیں جن میں علت یا اضطراب سند میں ہوتا ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مقدمہ ''فتح الملہم'' (ص ۵۱) میں اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ: محدثین کا اصل کام اسنادی پہلو سے بحث کرنا ہے، چنانچہ وہ سند یا متن پر جو بھی حکم لگاتے ہیں وہ اسنادی پہلو ہی سے لگاتے ہیں، اور متن کے اعتبار سے حکم لگانے سے گریز اس لئے کرتے ہیں کہ یہ فقہاء اور اصولیین کا کام ہے جن کی ذمہ داری ہے کہ وہ متون حدیث کو (اصول درایت پر) پرکھ کر ان کے معانی ومراد کو متعین کریں، اور مفہوم اور حکم شرعی کے اعتبار سے باہم متعارض نصوص کے درمیان تطبیق یا ترجیح کا کام انجام دیں، کیوں کہ ہر فن کے کچھ مخصوص رجال ہوتے ہیں جو دوسرے فنون کے ماہرین پر فوقیت رکھتے ہیں۔

(۳) یہ حقیقت ہے کہ حدیث صحیح ثابت کے معارض دوسری صحیح اور ثابت دلیل بھی ہوا کرتی ہے جس کی موجودگی میں اس حدیث پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے، وہاں اصول درایت کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے، چنانچہ حاکم ابوعبداللہ نیساپوریؒ مستدرک (۱/۲۲۶) میں فرماتے ہیں:

''اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ صحیح الاسناد حدیث کے معارض دوسری کوئی صحیح حدیث نہیں ہوتی تو ایسے شخص کو ہم مشورہ دیتے ہیں کہ وہ صحیح مسلم کا بغور مطالعہ کرے، متعارض حدیثوں کی اتنی مثالیں پائے گا کہ تھک جائے گا''۔

(۴) اسی طرح حدیثوں میں ناسخ ومنسوخ ہوتا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''فتح الباری'' (۱/۴۱۳) میں فرماتے ہیں:

''رہا صحابہ کا (جماع بغیر انزال کی صورت میں صرف وجوب وضو والی حدیث) کے خلاف فتویٰ دینا؛ تو یہ اس حدیث کی صحت کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ ذخیرۂ حدیث میں کتنی ہی ایسی مثالیں موجود ہیں جو منسوخ ہیں اور وہ فنی اعتبار سے ثابت اور صحیح ہیں''۔

معلوم ہوا کہ فنی اعتبار سے حدیث کا صحیح ہونا اس کے لائق عمل ہونے کو مستلزم نہیں۔

(۵) حافظ بقاعیؒ اپنی کتاب ''النکت الوفیۃ'' میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ بات منقح ہو کر سامنے آگئی کہ علماء کے نزدیک صحیح حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جس پر عمل کرنا ضروری ہو بایں طور کہ کسی قسم کے معارضہ اور نسخ وغیرہ کی علت سے محفوظ ہو''۔

اس لئے جمہور علماء کا طرز عمل یہ ہے کہ اصطلاحِ محدثین کے مطابق کسی حدیث کے صحیح یا مقبول ثابت ہو جانے کے بعد بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ حدیث کو دیگر ادلۂ شرعیہ (قرآن کریم، اس باب میں وارد دیگر احادیث جو پایۂ ثبوت کو پہونچ رہی ہوں، اجماع صحابہ، عمل متوارث وغیرہ) سے موازنہ کر کے یہ معلوم کر لیں کہ یہ حدیث معارضہ، نسخ یا کسی باطنی علت کا شکار تو نہیں ہے؟

اس جملہ کا صحیح مطلب

اس تفصیل سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ ائمہ کرام رحمہم اللہ کے قول '' إذا صح الحديث فهو مذهبي '' کی مراد حدیث کا صرف اصطلاح محدثین کے اعتبار سے صحیح ہونا نہیں ہے،

Ulamaehaqulamaedeoband.wordpress.com

اگر اصطلاحی صحیح ان کی مراد ہو تو جیسا کہ پیچھے معلوم ہو چکا کہ صحتِ اصطلاحی کی شرائط اور ان کے تحقق کا فیصلہ کرنے میں ہی علماء کے درمیان اختلافات موجود ہیں، اس لیے ایک حدیث ایک ناقد کی نظر میں شرائط صحت کی جامع ہوتی ہے، اور دوسرے کی نظر میں نہیں ہوتی، چنانچہ یہ کوئی مسلّمہ اصول نہیں بن سکتا۔ بلکہ صحیح ہونے سے ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ وہ حدیث قابل استدلال اور عمل کے لائق ہو، اور واقعہ یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جو اصطلاحِ محدثین کے اعتبار سے صحیح قرار پاتی ہے اس لائق نہیں ہوتی کہ اس پر عمل کیا جائے، یا اس سے استدلال کیا جائے، ہوسکتا ہے کہ وہ منسوخ ہو، یا کسی علت سے معلول ہو، یا اس میں کسی قسم کی تخصیص ہو، اس لیے اس پر عام حکم شرعی کا مدار رکھنے میں رکاوٹ ہو، لہٰذا صحیح ہونے کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث موانع سے محفوظ ہو تب اس کو امام متبوع کا مذہب قرار دیا جاسکتا ہے، اور اس کا فیصلہ بہت نازک، اور مشکل کام ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل اصولِ درایت حدیث میں گذر چکی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان ائمہ کرام نے اپنے فقہ کا مدار جن امور پر رکھا ہے وہ انتہائی تحقیق و تفتیش اور تنقید پر مبنی ہیں، یہ ان کی خدا ترسی کی بات ہے کہ کامل درجہ بحث و تمحیص کے بعد بھی اپنے متبعین سے انہوں نے اس طرح کی بات کہی۔

سوال یہ ہے کہ کیا ان ائمہ کرام کی متبعین اور مقلد علماء حضرات نے بھی ان کے اس جملہ کو اتنا ہی عام اور آسان سمجھا جتنا آج کے مدعیانِ عمل بالحدیث سمجھتے ہیں؟ کہ کوئی بھی صحیح حدیث پا گئے جس کے مطابق امام متبوع کا مذہب نہیں ہے تو دھڑلے سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ کتبِ مذہب میں جو بات ہے وہ غلط ہے، اور حضرتِ امام کا مذہب وہ ہے جو اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے، آیئے حنفیہ، شافعیہ، اور مالکیہ تینوں مکاتب فقہ کے تعلق سے اس کا جائزہ لیں۔

حنفی فقہاء

حنفیہ میں سے کمال ابن ہمام کے استاذ ابن الشحنہ کبیر نے اپنی شرح ہدایہ میں کچھ اسی طرح کی بات لکھی ہے جس پر علامہ ابن عابدین شامی نے استدراک فرمایا ہے، پہلے ابن الشحنہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

"إذا صح الحديث و كان علىٰ خلاف المذهب عُمل بالحديث، ويكون ذلك مذهبه، و لا يخرج مقلده عن كونه حنفيًا بالعمل به، فقد صح عنه -عن الإمام أبي حنيفة - أنه قال: إذا صح الحديث فهو مذهبي، وقد حكى ذلك ابن عبد البر عن أبي حنيفة وغيره من الأئمة"

"جب حدیث صحیح ہو اور وہ مذہب حنفیہ کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کیا جائے گا اور وہی امام صاحب کا مذہب ہوگا، ان کا مقلد اس حدیث کی اتباع کر کے حنفی ہونے سے خارج نہیں ہوگا، کیوں کہ ان سے منقول ہے کہ جب حدیث صحیح موجود ہو تو وہی میرا مذہب ہے، یہ بات ابن عبد البر نے امام ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ سے نقل کی ہے"۔

ابن الشحنہ کے اس قول پر علامہ ابن عابدین شامی نے یہ استدراک فرمایا:

"ولا يخفىٰ أن ذلك لمن كان أهلاً للنظر في النصوص ، ومعرفة محكمها من منسوخها" [ردالمحتار ١/ ٦٨]

"یہ بات بدیہی ہے کہ (امام مذہب کا قول چھوڑ کر صحیح حدیث کو اختیار کرنے) کا یہ حق اسی شخص کو حاصل ہے جو نصوص میں غور کرنے اور ان میں سے منسوخ کو غیر منسوخ سے ممتاز کرنے کی اہلیت رکھتا ہو"۔

نیز "شرح رسم المفتی" میں بھی آپ نے ابن الشحنہ کی بات نقل کر کے مذکورہ بالا استدراک فرمایا، اس کے ساتھ ایک اور قید کا اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأقول أيضًا: ينبغي تقييد ذلك بما إذا وافق قولاً في المذهب إذ لم يأذنوا في الاجتهاد فيما خرج عن المذهب مما اتفق عليه أئمتنا؛ لأن اجتهادهم أقوىٰ من اجتهاده، فالظاهر أنهم رأوا دليلاً أرجح مما رآه حتي لم يعملوا به"

"اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ (ابن الشحنہ کی بات میں) یہ قید بھی بڑھائی جانی چاہیئے کہ امام مذہب کا قول چھوڑ کر حدیث پر عمل اس وقت کیا جائے گا جب کہ مذہب میں اس حدیث کے موافق کوئی اور قول بھی ہو، کیوں کہ ائمۂ مذہب نے اس کی اجازت نہیں دی ہے کہ ان کے متفقہ قول کو

Ulamaehaqulamaedeoband.wordpress.com

چھوڑ کر مذہب سے نکل کر اجتہاد کیا جائے، کیوں کہ ان حضرات کا اجتہاد اِس شخص کے اجتہاد سے قوی تر ہے، اور جملہ اہل مذہب کے اتفاق سے ظاہر یہی ہے کہ ان حضرات کے پاس کوئی ایسی دلیل ضرور ہے جو اِس دلیل سے اقوی ہے جو اب اِس عالم کو نظر آئی ہے''۔

یہ منہ اور مسور کی دال؟

محدثِ شام شیخ عبد الغفار عیون السود حمصی (م ۱۳۴۹ھ) اپنے رسالہ ''دفع الأ وہام عن مسألة القراءة خلف الإمام'' (ص ۱۵) میں ابن الشحنہ کا قول اور اس پر علامہ ابن عابدین شامی کے استدراکات نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''علامہ ابن عابدین کی یہ قید بہت اچھی ہے، کیوں کہ ہم اپنے زمانہ کے بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جو علم سے منسوب ہیں مگر اس کا زعم انھیں زیادہ ہے، خود کو ثریا کی بلندی پر فائز سمجھتے ہیں حالاں کہ وہ تحت الثریٰ میں ہوتے ہیں، بسا اوقات حدیث کی کتب ستہ وغیرہ کے مطالعہ کے دوران کوئی صحیح حدیث امام ابوحنیفہ کے مذہب کے خلاف پا جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ کا مذہب دیوار پر مارو اور حدیث رسول ا کو اختیار کرو، حالاں کہ وہ حدیث منسوخ بھی ہو سکتی ہے یا ایسی دلیل کے معارض جو اس سے سند کے اعتبار سے مضبوط ہو، یا کوئی ایسا مانع ہو جو اس حدیث پر عمل کرنے سے رکاوٹ بن رہا ہو اور اس غریب کو اس کا پتہ نہ ہو، اگر اس جیسے لوگوا کو حدیث پر عمل کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی جائے تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور جو شخص ان سے پوچھنے آئے گا اسے بھی گمراہ کریں گے''۔

سچ فرمایا امام اہل حجاز وعراق سفیان بن عیینہؒ نے: "الحديثُ مَضِلَّةٌ إلا للفقهاء" کہ حدیث گمراہی کا ذریعہ ہے مگر حضرات فقہاء کے لیے۔ یعنی غیر فقیہ تو بسا اوقات حدیث کو اس کے ظاہر پر محمول کر کے گمراہ ہوگا جب کہ واقعتاً دوسری نصوص کی وجہ سے اس کو ظاہر پر محمول کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی، یا اس سے قوی تر دلیل کی موجودگی کی وجہ سے قابلِ عمل نہیں ہوگی جس کا ادراک فقہی بصیرت اور وسیع نظر رکھنے والے حضرات ہی کر سکتے ہیں۔ اسی لیے امام مصر حضرت عبداللہ بن وہبؒ فرماتے ہیں:

''ہر ایسا محدث جس کا کوئی فقہی امام ومقدا نہ ہو گمراہ ہوگا، اگر اللہ تعالیٰ نے امام مالک اور امام لیث بن سعد کے ذریعہ ہمیں بچایا نہ ہوتا تو ہم گمراہ ہو گئے ہوتے''۔ (دیکھئے: کتاب الجامع، از ابوزید قیرانی مالکی ص ۱۱۷)

شافعی فقہاء

شافعیہ میں سے ابومحمد الجوینی، ابوالولید حسان بن محمد نیساپوری رح اور ابوالولید موسیٰ بن ابی الجارود کو امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول: "إذا صح الحديث فهو مذهبي" سے غلط فہمی ہوئی، چنانچہ انھوں نے بعض ایسی احادیث کو اختیار کیا جو صحیح سند سے منقول ہیں اور جن کو حضرت امام رحمہ اللہ نے کسی علت کی بنا پر ترک کر دیا تھا، اور ابوالولید حسان بن محمد رحمہ اللہ تو قسم کھا کر کہتے تھے کہ امام شافعی کا مذہب یہی ہے کہ فصد کھلوانے والے اور کھولنے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے کیوں کہ حدیث "أفطر الحاجم والمحجوم" صحیح حدیث ہے، جب کہ اس حدیث کے منسوخ ہونے کی صراحت خود امام شافعی نے فرمائی ہے۔

اِن حضرات کے نظریہ کے بطلان اور غلط فہمی کو محققین شافعیہ نے طشت از بام کیا، اور امام شافعی کے قول کا صحیح مطلب اجاگر فرمایا، ان محققین میں حافظ ابن الصلاح، ان کے شاگرد ابوشامہ، اور ان کے شاگرد حافظ نووی، اور تقی الدین سبکی کا نام نمایاں ہے، بلکہ شیخ تقی الدین سبکی نے تو مستقل اس موضوع پر ایک تحقیقی رسالہ ہی قلم بند فرما دیا جس کا نام ہے: "معنى قول الإمام المطلبي: إذا صح الحديث فهو مذهبي"، تفصیل میں نہ جاتے ہوئے اس جگہ صرف حافظ نووی کی ایک عبارت اور اس کا ترجمہ پیش کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے، فرماتے ہیں:

"هذا الذى قاله الشافعى ليس معناه أن كل أحدٍ رأى حديثًا صحيحاً قال: هذا مذهب الشافعي، وعمِل بظاهره، وإنما هذا فيمن له رتبة الاجتهاد في المذهب، وشرطه: أن يغلب علىٰ ظنه أن الشافعى رحمه اللّٰه لم يقف علىٰ هذا الحديث، أو لم يعلم

Ulamaehaqulamaedeoband.wordpress.com

صحته ، وهذا إنما يكون بعد مطالعة كتب الشافعي كلها، ونحوه من كتب أصحابه الآخذين عنه وما أشبهها ، وهذا شرط صعب قلَّ من يتصف به . اهـ (المجموع ١/ ١٠٤)

یعنی ''جو بات امام شافعی نے کہی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر کس وناکس جو کسی صحیح حدیث کو دیکھے تو یہ کہہ دے کہ یہی امام شافعی کا مذہب ہے، اور اس کے ظاہر پر عمل کرنے لگے، بلکہ یہ حق تو اس شخص کو ہے جس کو مذہب میں مجتہد کا مقام حاصل ہو، اور اس کی شرط یہ ہے کہ اسکے گمان پر یہ بات غالب ہو کہ امام شافعی رحمہ اللہ کو یہ حدیث نہیں پہنچی تھی، یا اس کی صحت کا انہیں علم نہیں ہوا تھا ،اور یہ بات امام شافعی کی تمام کتابوں کے مطالعہ کے بعد اسی طرح ان کے براہ راست تلامذہ کی تمام کتابوں کے دیکھنے کے بعد ہی کہی جاسکتی ہے اور یہ بڑی کڑی شرط ہے شاید ہی کوئی اس پر اتر سکے''۔

حافظ ابن صلاح شافعیؒ اپنی کتاب ''أدب المفتي والمستفتي'' (ص ١١٨) میں فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

امام شافعیؒ کے اس قول کے ظاہر پر عمل کرنا آسان نہیں ہے، چنانچہ ہر فقیہ کو بھی اجازت نہیں کہ وہ جس حدیث کو حجت سمجھ رہا ہے اسی پر عمل کرنے لگے، اس غلط فہمی کے شکار بعض شافعی علماء نے بعض ان احادیث پر عمل کر ڈالا جن کو حضرتِ امامؒ نے صحت وثبوت کے باوجود کسی مانع کی بنا پر ترک کر دیا تھا، جیسے ابو الولید موسیٰ بن ابی الجارود جو امام شافعیؒ کے تلامذہ میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ حدیث ''أفطر الحاجم والمحجوم'' صحیح حدیث ہے، اور امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ فصد کھولنے والے اور کھولوانے والے دونوں کا روزہ نہیں ہوا، علماء نے ان کی تردید کی اس لیے کہ امام شافعیؒ نے اس حدیث کی صحت کا علم ہوتے ہوئے بھی اس پر عمل صرف اس وجہ سے نہیں کیا کہ یہ ان کے نزدیک منسوخ ہے، اور اس پر انھوں نے دلائل بھی قائم فرمائے ہیں۔

مالکی فقہاء

جہاں تک علماء مالکیہ کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں علامہ شہاب الدین قرافی مالکی رحمہ اللہ کی یہ عبارت پیش کر دینی کافی ہے، فرماتے ہیں:

''فقہاء شافعیہ میں سے بہت سے لوگ اس قول ''إذا صح الحديث فهو مذهبي'' پر اعتماد کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ امام شافعی کا مذہب وہی ہے جو اس حدیث میں ہے کیوں کہ حدیث صحیح ہے، حالاں کہ ان کا یہ موقف غلط ہے، اس لیے کہ صحت کے لیے معارض سے محفوظ ہونا شرط ہے، اور معارض کے نہ ہونے کا علم موقوف ہے اس شخص پر جس کو شریعت پر پورا عبور حاصل ہو تا کہ وہ یہ کہہ سکے کہ یہ حدیث معارض سے بالکل محفوظ ہے، رہا ایسے شخص کا استقراء وتتبع جو مجتہد مطلق نہیں ہے تو اس کا اعتبار نہیں، جو شافعی علماء اس نظریہ کے حامل ہیں ان کو چاہیے کہ پہلے اپنے اندر استقراء تام کی اہلیت پیدا کریں پھر اس فتویٰ کا اعلان کریں''۔ (شرح التنقیح ص ۴۵۰)

ایک خطرناک غلطی

مذاہب فقہاء کے متعلق بعض حضرات بڑی بے باکی سے اس طرح کے الفاظ زبان سے نکال دیتے ہیں جن کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ فقہاء نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ان کی ذاتی آراء اور خیالات ہیں، قرآن وحدیث سے ان کا تعلق نہیں ہے۔

تو ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں، فقہ ائمہ درحقیقت قرآن وحدیث ہی کی شرح ہے، قرآن وحدیث سے الگ کوئی چیز نہیں، اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

''جميع ما تقوله الأمة شرح للسنة، وجميع السنة شرح للقرآن''.

امت سلف جو کچھ کہتے ہیں وہ درحقیقت سنت کی شرح ہے، اور سنت کل قرآن کریم کی شرح ہے۔

امام ظاہریہ علامہ ابن حزم اندلسی کی یہ چشم کشا عبارت بھی ملاحظہ فرمائیں:

''جميع ما استنبطه المجتهدون معدود من الشريعة ، وإن خفي دليله على العوام ، ومن أنكر ذلك فقد نسب الأئمة إلى الخطأ، وأنهم يشرعون ما لم يأذن به الله ، وذلك ضلال من قائله عن الطريق''. (كما في الميزان الكبرىٰ للشعرانيؒ ١/ ١٦)

Ulamaehaqulamaedeoband.wordpress.com

"ائمہ مجتہدین نے جو کچھ استنباطات کیے ہیں ان کا شمار شریعت میں ہے اگر چہ اس کی دلیل عوام سے مخفی ہو، جس نے اس بات کا انکار کیا گویا اس نے ائمہ کو خطاء کی جانب منسوب کیا اور یہ کہا کہ وہ لوگ ایسے احکام مقرر کرتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی ہے، اس طرح کی بات سراسر صراط مستقیم سے بھٹکنے کے مرادف ہے"۔

لہٰذا اس دور کے بعض نام نہاد مجتہدین جو آزادانہ طور سے قرآن وحدیث کو بازیچۂ اطفال بناتے ہوئے من مانا اجتہاد کرتے ہیں اور اس کو "فقہ الکتاب" اور "فقہ السنۃ" جیسے خوش کن القاب سے نوازتے ہیں وہ یہ سمجھ لیں کہ زہر کی کوٹنگ ہو جانے کے بعد وہ تریاق نہیں بن جاتا، بلکہ ہنوز زہر ہی رہتا ہے۔

نیز ائمہ مجتہدین نے جس اعلیٰ درجہ کے ورع وتقویٰ، انصاف اور عامۃ المسلمین کے حق میں انتہائی دلسوزی وخیر خواہی کے ساتھ اجتہاد کا فریضہ انجام دیا ہے وہ اس دینی کمزوری اور دور انحطاط میں متعذر اور دشوار ہے۔

وآخر دعوانا عن الحمد للہ رب العلمین.

Ulamaehaqulamaedeoband.wordpress.com